عورت کی دیت شرعی دلائل کی روشنی میں

قصاص و دیت کمیٹی منصورہ

احادیث و آثار کی رہنمائی میں

احادیث، آثارِ صحابہؓ اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیتِ قتل کے مقابلے میں نصف ہے۔

۱۔ عن معاذ بن جبلؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل و روی ذالک من وجہ آخر عن عبادۃ بن نسی وفیہ ضعف۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے"

سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الدیات باب دیۃ المراۃ ص ۹۵، جلد ۸

کنز العمال کتاب القصاص ص ۵۷، جلد ۱۵

نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ ص ۳۶۳، جلد ۴

اس حدیث کو اگرچہ بیہقی نے اور اسی طرح الجوہر النقی نے بھی ضعیف کہا ہے، لیکن ضعف جب راوی کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ہو اور تائید میں دوسری روایات موجود ہوں یا اس حدیث کو "تلقی بالقبول" حاصل ہو یعنی راوی کی کمزوری کے باوجود فقہاءِ سلف نے اسے دلیل بنایا ہو تو ضعفِ راوی کے باوجود وہ حدیث قابلِ استدلال اور بنائے حجت

ہوتی ہے۔ حدیث کے طالب علموں تک کو معلوم ہے کہ سنن ترمذی کے متعدد ابواب میں حدیث نقل کر کے اس کی سند پر اعتراض بھی کیا گیا ہے اور پھر اس پر صحابہؓ و تابعین اور ائمہ فقہ کا عمل بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی تائید میں دوسری روایات موجود ہوتی ہیں۔ یہاں بھی حدیث مذکور کی تائید میں دیگر کئی شواہد موجود ہیں۔ مثلاً:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدّہ قال قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم

۲ — عقل المرأۃ مثل عقل الرجل حتّی یبلغ الثلث من دیته

"عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے، یہاں تک کہ مرد کی دیت کے ثلث تک پہنچ جائے۔"

سنن نسائی کتاب القود، باب عقل المرأۃ ص ۴۴-۴۵ جلد ۸

سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی کتاب الحدود والدیات ص ۹۱ جلد ۳

جامع الاصول، کتاب الدیات ص ۴۱۵، جلد ۴

المصنّف لعبدالرزاق ص ۳۹۶ جلد ۹

کنز العمال ص ۵۳، جلد ۱۵

نصب الرایۃ ص ۳۶۴، جلد ۴

اس حدیث میں "شجاّت" و "جراحات" یعنی زخموں کی دیت میں مرد کی کل دیت کی تہائی تک تو برابری کا ذکر آیا ہے۔ اور اس حد تک برابری کے اقوال بعض صحابہؓ و تابعینؒ اور بعض ائمہ فقہ سے مروی بھی ہیں، لیکن زخموں کی اس دیت کے بارے میں جو کل دیت کی ایک تہائی سے زیادہ ہو یا عورت کے قتل خطا کی دیت کے بارے میں صاف طور پر آیا ہے کہ وہ مرد کی دیت کے برابر نہیں ہے (بلکہ نصف ہے) اور زخموں کی دیت میں ایک تہائی تک مساوات کا قانون اگر بنایا جائے تو ہمارے نزدیک راجح تو نہیں ہے، مگر باطل بھی نہیں ہے۔ اسے قبول کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ یہ بعض صحابہؓ سے مروی بھی ہے اور مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک بھی ہے۔

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم

۱۔ عَنِ ابْنِ شھابٍ و مکحولٍ وعطاءٍ...... فقوّم عمرُ تلک الدیۃ (اے مائۃ من الابل):

علی اھل القریٰ الفَ دینارٍ، او اثنی عشر الف درھم، و دیۃ الحرۃ المسلمۃ اذا کانت من اھل القریٰ خمس مائۃ دینار، او ستۃ آلاف درھم، فاذا کان الذی اصابھا من الاعرابِ فدیتُھا خمسون من الابل۔

"ابن شہاب زہریؒ، مکحولؒ اور عطاءؒ (تابعین) سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے شہری علاقوں کے لوگوں پر سو اونٹ کی قیمت ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر کی تھی اور شہری علاقوں کی آزاد اور مسلمان عورت کی دیت پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر کیے تھے۔ اور اگر عورت کا قاتل دیہاتی ہوتا (جن کے پاس نقد رقم نہیں ہوتی تھی) تو پھر اس کی دیت ۵۰ اونٹ مقرر کیے تھے۔"

کتاب الاُمّ از امام شافعیؒ ص ۱۰۶، جلد ۶
سُنَنِ کبریٰ از بیہقیؒ ص ۹۵، جلد ۸

بارہ ہزار درہم اور چھ ہزار درہم اس سکّے کے حساب سے مقرر کیے گئے تھے جس کے بارہ ہزار درہم ایک ہزار دینار اور چھ ہزار درہم پانچ سو دینار کے برابر ہوتے تھے۔ دوسرا سکہ بھی عہد نبوی میں مروّج تھا جس کے دس ہزار درہم ایک ہزار دینار کے برابر ہوتے تھے۔ حنفیہ نے اسی حساب سے ۱۰ ہزار درہم دیت مقرر کی ہے اور بعض دوسری روایات میں وضاحت کے ساتھ ۱۰ ہزار درہم کا ذکر بھی آیا ہے۔

خلیفۂ رسول حضرت عمرؓ نے جب یہ حکم صادر فرمایا کہ عورت کی دیت نصف ہے تو کسی صحابی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا اور یہ دَورِ فاروقی کا متفق علیہ قانون بن گیا۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں:

۲۔ عن ابراھیم النخعی عن عمر بن الخطاب، وعلی بن ابی طالب

انهما قالا عقل المرأة على النصف من دية الرجل في النفس وفيما دونها۔

"حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نے کہا ہے کہ عورت کے قتلِ نفس اور زخموں کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔"

کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ از امام محمد طبع لاہور۔ ص ۲۸۴ جلد ۴
سنن کبریٰ از بیہقی ص ۹۶، جلد ۸

۳۔۔۔ روی ذالک عن عمر وعثمان وعلی والعبادلۃ: ابن مسعود وابن عمر وابن عباس۔

"عورت کی دیت کے نصف ہونے کا فتویٰ عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔"

(التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر طبع پاکستان؛ ص ۲۴، جلد ۴

۴۔۔۔ وعن الشعبی عن زید بن ثابتؓ انہ قال: جراحات الرجال والنساء سواء الی الثلث فما زاد فعلی النصف۔

"زید بن ثابتؓ (صحابی ہے) سے مروی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے زخموں کی دیت کل دیت کی ایک تہائی تک برابر ہے اور اس سے زاید میں عورت کی دیت نصف ہوگی۔" (سنن کبریٰ از بیہقی ص ۹۶، جلد ۸)

۵۔۔۔ امام مالکؒ کے استاذ ربیعۃ الرائی نے جب مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہا میں سے ایک بڑے سعید بن مسیّب کے سامنے ایک تہائی سے زائد میں عورت کی دیت کے نصف ہونے پر اپنی الجھن کا اظہار کیا تو سعید بن مسیّب (جو تابعی تھے) نے فرمایا "کیا تو عراقی ہے (جو ایک تہائی میں بھی نصف کے قائل ہیں)۔ اے میرے بھائی یہ تو سنّت ہے"۔

(سنن کبریٰ از بیہقی ص ۹۶، جلد ۸)
(المصنف از عبدالرزاق ص ۳۹۲، جلد ۹)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "امام مالک کہا کرتے تھے کہ ایک تہائی تک مساوات اور اس سے زیادہ میں نصف دیت سنت ہے ۔ میں اس بارے میں اس کی متابعت تو کرتا تھا لیکن دل میں کچھ الجھن تھی ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اہل مدینہ کی سنت ہے (جیسے امام مالک حجت کہتے ہیں) تو میں نے رجوع کر لیا۔" (اور مطلق دیت کے نصف ہونے کا قائل ہو گیا) ۔

(التلخیص الجبیر ص ۲۵، جلد ۴ ۔ نیل الاوطار ص ۲۲۵، جلد ۷)

اجماعِ امت | آج تک ہر دور میں ہر مسلک کے اہلِ علم یہ قول نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ امت کا اس مسئلے پر اجماع ہے ، ایسا اجماع جسے تمام فقہا اجماع قرار دیں حجتِ شرعی ہے ۔ اس سلسلے میں آپ کے سامنے چند نمایاں اہل علم کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں ۔

امام المفسرین ابن جریر طبری فرماتے ہیں :

لان دیۃ المومنۃ لاخلاف بین الجمیع الامن لا یعد خلافاً الا انھا علی النصف من دیۃ المومن" (ترجمہ) جن لوگوں کی بات کا اعتبار ہے وہ اس پر متفق ہیں کہ مومنہ عورت کی دیت مومن مرد کی دیت سے نصف ہے ۔" (تفسیر طبری جلد ۴ ص ۱۳۷)

تفسیر طبری کے حاشیہ پر علامہ نظام الدین القمی نیشاپوری کی تفسیر غرائب القرآن چھپی ہوئی ہے ۔ صفحہ مذکورہ پر ہی علامہ نظام الدین القمی فرماتے ہیں :

"ان دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل باجماع المعتبرین من الصحابۃ" (ترجمہ) عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے اور اس پر صحابہ جن کی بات کا اعتبار ہے اجماع ہے ۔

ابن جوزی فرماتے ہیں :

"دیۃ المرأۃ المسلمۃ علی النصف من ذالک" (ترجمہ) آزاد مسلمہ کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے" (زاد المسیر جلد ۲ ص ۱۶۴)

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں :

"ثم بالاجماع بدل نفسھا علی النصف من بدل نفس

الرجل"۔ (ترجمہ) عورت کے نفس کا بدل مرد کے نفس کے بدل سے نصف ہے اور اس کی دلیل اجماع ہے"۔ (مبسوط سرخسی جلد ۲۶ ص ۷۹)

ابن رشد فرماتے ہیں:۔

"اما دیۃ المرأۃ فانھم اتفقوا علی انھا علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس فقط" ترجمہ: رہا عورت کی دیت کا مسئلہ تو علماء اس پر متفق ہیں کہ عورت کی دیتِ قتل مرد کی دیتِ قتل سے آدھی ہے (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۳۱۵)

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

"وذالک مُجمعٌ علیہ" (ترجمہ) اس بات پر سب کا اجماع ہے۔ (نیل الأوطار جلد ۷ ص ۲۲۷)

عبدالقادر عودہ شہید فرماتے ہیں:

"ومن المتفق علیہ ان دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی القتل" (ترجمہ) اس بات پر اجماع ہے کہ قتل کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی"۔ (التشریع الجنائی جلد ا ص ۶۶۹)

سید سابق فرماتے ہیں:

فقد روی عن عُمَر وعلی وابن مسعود وزید بن ثابت انھم قالوا فی دیۃ المرأۃ انھا علی النصف من دیۃ الرجل ولم ینقل انہ انکر علیھم احدٌ، فیکون اجماعاً" (ترجمہ) حضرات عمر، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اور ان کی اس بات پر کسی سے انکار منقول نہیں۔ پس یہ بات اجماعی ہوگئی۔ (فقہ السنۃ جلد ۲ ص ۴۷۵-۴۷۶)

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں:

"ودیۃ المرأۃ والخُنثیٰ المشکل الحرّان: دیۃ کل منھما

فی نفس وجرح کنصف دیة رجل حر ممن هما علی دیته" (ترجمہ "آزاد عورت اور آزاد مخنث کی دیت قتل اور زخم دونوں حالتوں میں آزاد مرد کی دیت سے نصف ہے"۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۵ ص ۳۷۰)

ائمہ اربعہ کا مسلک عورت کے قتل خطا یا قتلِ شبۂ عمد کی دیت کے نصف ہونے کا قول چاروں متداول فقہی مذاہب کے نزدیک اجماعی ہے۔ جراحات یعنی زخموں کی صورت میں عورت کی ایک تہائی تک مقدار دیت میں اختلاف رائے موجود ہے، لیکن قتل کی دیت کے نصف ہونے میں کسی کا اختلاف مروی نہیں ہے۔ حوالے درج ذیل ہیں۔

۱۔ حنفی مسلک

"عورت کی دیت نصف ہے اور اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے نصف ہونے کا فتویٰ منقول ہے اور اس پر صحابہ میں سے کسی کا اعتراض منقول نہیں ہے"۔ حوالے:۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع از کاسانیؒ ص ۲۵۴، جلد ۷

۲۔ المبسوط از شمس الائمہ سرخسیؒ ص ۷۹، جلد ۶

۳۔ الہدایۃ از مرغینانی کتاب الدیات

۲۔ شافعی مسلک

"مجھے قدیم اور جدید دور کے اہلِ علم میں سے ایک عالم بھی ایسا معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی نصف دیت کے بارے میں کوئی اختلاف کیا ہو۔ اسی طرح جراحات یعنی زخموں کی دیت بھی نصف ہے۔ دیا درہے کہ امام شافعیؒ امام مالک اور ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے علوم کے حامل ہیں اس لیے امام شافعیؒ کا یہ قول کہ انہیں قدیم اہلِ علم میں سے بھی عورت کی نصف دیت کی مخالفت کرنے والا کوئی نہیں ملا ہے تو یہ بات خود امام مالک اور امام ابوحنیفہ

کے مسلک کی بھی توثیق کر دیتی ہے)۔ حوالہ

کتاب الاُم از امام شافعی طبع بیروت ۱۹۰۳ء ص ۱۰۶، جلد ۶

یہ امام شافعی کا مسلکِ جدید ہے۔ قدیم رائے یہ تھی کہ ایک تہائی تک جراحات کی دیت برابر ہے اور اس سے زائد میں نصف ہے جیسا کہ پہلے حوالہ دیا جا چکا ہے۔

۳۔ مالکی مسلک

"امام مالکؒ اور مالکی مذہب کے دیگر نمایاں فقہا کی رائے یہ ہے کہ عورت کے قتل کی دیت تو نصف ہے، لیکن جراحات و شجات کی دیت کل دیت کے ایک تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے اور ایک تہائی کے بعد زخموں کی دیت بھی نصف ہے۔"

۱۔ موطا امام مالک مع تنویر الحوالک باب دیت المرأۃ ص ۱۸۲، جلد ۲

۲۔ احکام القرآن از قاضی ابوبکر ابن العربی ص ۴۷۸، جلد ۱

۳۔ احکام القرآن از قرطبی یعنی تفسیر قرطبی ص ۳۲۵، جلد ۵

۴۔ بدایۃ المجتہد از ابن رشد مالکیؒ ص ۴۲۵۔۴۲۶، جلد ۲

۴۔ حنبلی مسلک

آزاد مسلمان عورت کی دیت مسلمان آزاد مرد کی دیت کا نصف ہے۔"

یہ مختصر الخرقی کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اس پر ابنِ قدامہؒ لکھتے ہیں:

قال ابن المنذر و ابن عبد البر اجمع اھل العلم علی ان دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل۔ (ترجمہ) مشہور شافعی فقیہ و محدث محمد بن المنذر اور مشہور مالکی فقیہ و محدث ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "عورت کی دیت کے نصف ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔"

(المغنی شرح الخرقی از ابن قدامہ حنبلی ص ۴۰۲، جلد ۸

امام قرطبیؒ اور ابن رشدؒ نے بھی کہا ہے کہ "اس پر اہل علم کا اجماع ہے

کہ عورت کی دیت نصف ہے"۔

(تفسیر قرطبی ص ۳۲۵، جلد ۵ بدایۃ المجتہد ص ۴۲۵، جلد ۲

حنبلی مسلک کے مشہور امام اور مصلح ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے: وقد جاءت الشریعۃ بھذا التفضیل فی جعل الذکر کالانثیین فی الشھادۃ والمیراث والدیۃ

(ترجمہ) شریعت نے یہ بات طے کر دی ہے کہ شہادت، وراثت اور دیت میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہوں گی۔

ملاحظہ ہو زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۳۱، باب مدینۃ فی الذبائح — موصوف اپنی دوسری کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ: "و قضی صلی اللہ علیہ وسلم ان عقل المرأۃ مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتھا" (ذکرہ مسلم)۔ (ترجمہ) عورت کی دیت ایک تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے۔ (اس سے زائد پر نصف ہوگی)۔

(اعلام الموقعین ص ۴۶ - باب: فتاوی امام المفتین جلد ۳، ۴)

دِیت کے بارے میں چند شبہات اور ان کا جواب

بعض محققین نے دیت کو قصاص کا بدل قرار دیا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب قصاص میں مساوات ہے تو دیت میں بھی مساوات ہونی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دیت انسانی جان کی قیمت نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ جان اور خون تو مرد اور عورت دونوں کا یکساں ہے اور قابلِ احترام ہے، بلکہ جان تو مسلمان اور ذمی (غیر مسلم اقلیت) کی بھی یکساں طور پر واجب الاحترام ہے۔ قصاص چونکہ جان کے بدلے جان لینے کا نام ہے اس لیے عورت کی جان کے بدلے میں مرد کی جان لی جاتی ہے اور ذمی کی جان کے بدلے میں مسلمان سے بھی قصاص لیا جاتا ہے اور غلام کی جان کے بدلے میں

آزاد سے بھی قصاص لیا جاتا ہے۔ قتلِ عمد کی صورت میں تو مرد اور عورت دونوں کی وہی دیت ہوگی جس پر فریقین نے صلح کی ہو۔ کیونکہ قتل عمد کی صورت میں مقتول کے وارثوں کا اصل حق قصاص لینا ہے اور دیت اس صورت میں قصاص کا بدل ہے اور وارثوں کو معاف کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ہے اور بدلِ صلح کے عوض میں راضی نامے کا اختیار بھی دیا گیا ہے اور بدلِ صلح وہی ہو سکتا ہے جس پر فریقین متفق ہوں لیکن قتلِ خطا اور قتلِ شبہ عمد میں سرے سے قصاص لیتا جاتا ہی نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ دیت قصاص اور انسانی خون کا معاوضہ ہے۔ یہ تو پس ماندگان کی معاشی کفالت کا ایک قانونی اور اجتماعی نظام ہے اور اس نقصان کی کسی حد تک تلافی ہے جو خاندان کے کمانے والے یا بعد میں کمانے کے لائق بننے والے فرد کی موت سے اس کو پہنچتا ہے۔

عورت کی قوتِ کار اور کمانے کی صلاحیت چونکہ مرد کے مقابلے میں کم ہے اور جو کماتی ہیں یا بعض اوقات بعض عورتیں مردوں سے زیادہ بھی کماتی ہیں[1] تو وہ ان کا رضاکارانہ عمل ہے ورنہ ان پر معاشی کفالت کی ذمہ داری ڈالی نہیں گئی۔ اس لیے عورت کے قتل سے اس کے وارثوں کو صدمہ تو یقیناً پہنچتا ہے اور گھریلو پریشانیاں بھی لاحق ہوتی ہیں لیکن کوئی خاص معاشی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے عورت کی دیت نصف مقرر کی گئی ہے۔ جو تھوڑا بہت نقصان ہوا ہے اس کی تلافی نصف دیت سے بھی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو میراث بھی مرد کے مقابلے میں نصف دی جاتی ہے۔ فقہا کرام نے عورت کی دیت کے نصف ہونے کی یہی حکمت اور عقلی توجیہہ فرمائی ہے۔ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] قانون کا تعلق عموماً اور کثیر الوقوع حالات سے ہوتا ہے، اختصاصی سے نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک مقتول مرد بہت کم کمانے والا یا سرے سے بے روزگار یا معذور ہو۔ اسی طرح کوئی عورت اگر کماتی ہے اور ان میں سے کوئی بہت زیادہ بھی کماتی ہے تو قانون ایسی چند مستثنیٰ صورتوں کے نہیں ہے۔ پیش نظر تو ۹۵ فی صد عورتوں کو رکھنا چاہیے۔ (ن ر ص)

ولان حالها انقص من حال الرجل و منفعتها اقل (هدایة کتاب الدیات) (ترجمہ) یعنی عورتوں کی قوتِ کار اور اس کی منفعت مرد سے بہت کم ہے۔

علامہ سید رشید رضا مرحوم نے بھی یہی عقلی توجیہہ کی ہے۔

(تفسیر المنار ص ۳۳۴ جلد ۵)

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی عورت قتل کر دی جائے تو اس کی دیت (جو مرد کی دیت سے نصف ہوگی) کے حقدار اس کے ورثا ہوں گے یعنی اس کا خاوند یا باپ اور اس کی اولاد وغیرہ۔ اس طرح نصف دیت ملنے کا نقصان عورت کو تو نہیں اس کے ورثا کو ہوگا، جن میں مرد بھی ہو سکتے ہیں اور عورتیں بھی۔ مرد مقتول کی دیت اگر عورت سے دوگنا ہے تو اس کا فائدہ مقتول کی بیوہ کو بھی پہنچے گا۔ اس لحاظ سے غور کیا جائے تو دیت کے مسئلے پر عورتوں کی حق تلفی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جس پر اس قدر شور مچایا جائے[1]

یہ ان لوگوں کی غلط بیانی یا غلط فہمی کا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ دیت جان اور خون کی قیمت کا بدل ہے۔ حالانکہ یہ بدلیت قتل عمد میں ہے شبہ عمد اور قتل خطا میں نہیں اور عمد میں بھی دیت بدل قصاص نہیں بلکہ حقِ دیت، حق قصاص کا بدل ہے ایسا نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ دیت انسانی جان کی قیمت ہے اور یہ احترامِ انسانیت کے منافی ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں دیت کے قانون سے عورت کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا بلکہ مطلق مومن کے قتل خطاء کی دیت کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن مقام غور یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۲ میں سرے سے دیت کی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا اور زیر بحث مسئلہ عورت کی دیت کی مقدار کا ہے۔ آخر یہ کس نے کہا ہے کہ عورت کے قتل پر دیت واجب ہی نہیں ہے؟ دیت تو ہر معصوم الدم نفس کے قتل خطا یا قتلِ شبہ عمد پر واجب ہے، خواہ

---

[1] شاید ماڈرن عورت اتنی گہری سوچ بچار کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (ن۔ ص)

مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا غیر مسلم شہری۔ اصل بحث عورت کی دیت کی مقدار میں ہے۔ اور اس بارے میں قرآن میں تفصیل موجود نہیں ہے بلکہ احادیث رسول میں ہے۔ بعض حضرات نے عورت اور مرد کی دیت کے مساوی ہونے کے لیے اس حدیث کو دلیل بنایا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

فی النفس المومنۃ مائۃ من الابل" یعنی (نفس مومن کے بدلے میں سو اونٹ دیئے جائیں گے)۔

یہ حدیث بالکل صحیح اور معروف و متداول حدیث ہے لیکن اس میں دوسری حدیث رسول نے تخصیص کر دی ہے اور ایک حدیث کی تخصیص و تفسیر دوسری احادیث سے جائز ہے۔ جب دوسری حدیث اور اجماع صحابہ میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف بتائی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ سو اونٹوں والی حدیث میں رسول اللہ کی مراد مرد کی دیت بیان کرنا تھی۔ قرآن و حدیث کا علم رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ کسی آیت یا حدیث میں صیغہ عام یا مطلق و غیر مقید الفاظ میں کوئی قانون بیان ہوا ہے اور دوسری آیت یا احادیث نے اس میں تخصیص کر دی ہے مثلاً سورۃ النور میں زانی اور زانیہ کی سزا سو کوڑے مقرر کی گئی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلم قرآن اور اللہ کے مستند اور واجب الاطاعت نمائندے کی حیثیت سے امت کو بتا دیا ہے کہ اس آیت میں "غیر محصن" زانی مراد ہے۔

بعض حضرات نے امام طحاوی رحمۃ اللہ، ابوالولید باجی رحمۃ اللہ اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ یہ حضرات بھی مرد اور عورت کی مساوات کے قائل تھے حالانکہ انہوں نے المسلمون تتکافؤ دماؤھم کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مضمون کی وضاحت کی ہے اور ان کی مراد دیت کے وجوب و لزوم میں مساوات ہے۔ مقدار دیت میں مساوات مراد نہیں ہے اور نفس دیت میں برابری تو خود قرآن کی آیت سے ثابت ہے۔ آج تک کسی اہل علم نے ان کا مسلک یہ بیان نہیں کیا ہے کہ ان کے نزدیک مرد اور عورت کی دیت قتل مساوی ہے، نہ ہی کسی جگہ سے یہ تصریح پیش کی جاسکتی ہے کہ ان

کا مسلک یہ ہے۔ اس کے برعکس تصریحات موجود ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک مرد اور عورت کی دیت میں مساوات نہیں بلکہ عورت کی دیت نصف ہے۔ خدا جانے کہ ان لوگوں کے اندر یا تو کلام فہمی اور کتاب فہمی کی استعداد موجود نہیں ہے یا پھر ان کو تحریفِ کلام کا تجربہ اور مہارت حاصل ہے جو حق پرستوں کی شان نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ابن علیہ اور الاصم رح کے قول کو بھی اچھالا جارہا ہے کہ یہ دونوں مقدار دیت میں مرد اور عورت کے مساوی ہونے کے قائل تھے۔

قطع نظر اس کے کہ ان حضرات کا یہ قول کسی مستند کتاب میں صحیح اسناد کے ساتھ نقل بھی نہیں ہوا۔ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے حکی غیرہما دا لے غیر ابن المنذر وابن عبدالبر کے لفظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ شاذ اور غیر منقول دغیر متنا اول قول ہے، جو اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور سنّتِ رسول ؐ کے مخالف ہے۔ (المغنی ص ۴۰۲، جلد ۸) صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین اور فقہاء اسلام میں سے سوائے ابن علیہ اور الاصم کے ہمیں کافی تلاش و جستجو کے باوجود کسی کا بھی یہ قول نہیں مل سکا کہ عورت کی دیت مرد کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے چودہ صد سالہ تعامل و تواتر کے مقابلے میں اس قسم کے شاذ اقوال تلاش کرنا اور پھر ان کو دلیل بنانا مریض ذہن کی علامت ہے۔

پھر ذرا یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ ان دو حضرات کی حیثیت کیا ہے؟ تاکہ مسئلہ میں کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ ۱۔ ابوبکر اصم ۲۔ اسماعیل ابن عُلَیّہ۔ ان دو میں سے یہ اصم جس کا اصل نام عبدالرحمٰن بن کیسان ہے اس کے متعلق لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۴۲۷ میں لکھا ہے کہ وہ معتزلی تھے اور اس کا ذکر معتزلہ کے طبقات میں کیا جارہا ہے اور اس نے جو تفسیر لکھی تھی اس کے بارے میں کہا ہے کہ تفسیر عجیب، اور اس کے شاگردوں میں اسماعیل بن علیہ کا بیٹا ابراہیم تھا جو جہمی ہے اور خلقِ قرآن کا قائل ہے۔ امام شافعی رح نے اس کے بارے میں یہ قول لکھا ہے: "ھو ضالٌ اَضَلَّ الناسَ"۔ اور اس کے اقوال اہل سنّت کے ہاں متروک ہیں اور لسان المیزان میں اس کے بارے میں بہت سے اقوال ایسے منقول ہیں کہ وہ ایک بدعقیدہ شخص تھا اور غالباً اس شاگرد نے اس قسم کے اثرات اسی اصم سے

لیے تھے، اس لیے ابوبکر اصم کا کوئی قول پوری اُمت کے اجماع کے خلاف بالکل قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

۲۔ شخص اسماعیل بن علیہ اگرچہ قابلِ اعتماد رواۃ حدیث میں سے ہیں لیکن اس کو فقہا مجتہدین میں شمار نہیں کیا گیا۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے روایت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن علیہ کے نام سے جو یہ روایت دیت کی منقول ہے کہ وہ پوری دیت کے قائل تھے تو وہ اسماعیل بن علیہ نہیں ہوگا بلکہ اس کا بیٹا ابراہیم ہوگا۔ کیونکہ اس کو بھی ابن عُلَیّہ کہا جاتا ہے اور اس کے بارے میں لسان المیزان کے حوالے سے ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک بدعقیدہ شخص تھا اور علماء مجتہدین کے ہاں بالکل ناقابلِ اعتبار ہے۔ ہم یہ جو کہتے ہیں کہ ابن علیہ سے مراد اسماعیل بن علیہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام شافعیؒ کے استاد ہیں اور امام شافعی کتاب الام میں یوں فرماتے ہیں" کہ مجھے اہلِ علم میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں، نہ پہلے علماء میں سے اور نہ بعد کے علماء میں سے کہ اُس نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہو۔ اور اگر ان کے اُستاد اسماعیل بن علیہ اس کے قائل ہوتے تو وہ ایسے جامع تردیدی الفاظ استعمال نہ کرتے۔ خواہ ان کی ذاتی رائے نہ ہو پھر بھی وہ یہ تو لکھتے کہ اسماعیل بن علیہ کا قول دوسرا ہے۔ پس اصل صورتِ حال یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین، شیعہ حضرات اور زیدی وغیرہ سب کا بالاتفاق، بالاجماع فیصلہ یہ ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے۔ اور جو لوگ اس حدیث کے راویوں پر کچھ جرح کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے تو اصولاً یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ جس روایت سے ائمہ مجتہدین استدلال کرتے ہیں اور حکم ثابت کرتے ہیں، وہ بہرحال قوی قرار دیا جاتا ہے۔ کسی روایت کو ائمہ کا مدارِ استدلال بنانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ائمہ نے اس کی صحت کی توثیق کی ہے۔ اجماع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایک روایت جو فی نفسہٖ خبرِ واحد ہونے کی حیثیت سے اصولِ حدیث کے مطابق ظنی ہوتی ہے، جب اس کے مضمون پر اجماع[1] ہو جائے تو اجماع اس

[1] کیونکہ دوسرے کئی عوامل وحقائق مثلاً اس کے مطابق قرونِ اولیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کو بالکل قطعی بنا دیتا ہے۔

اہلِ علم ان ساری باتوں کو جانتے ہیں مگر مصیبت یہ ہے کہ واسطہ ان لوگوں سے پڑا ہے کہ جو قرآن کی کوئی آیت صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے، حدیث اور اصولِ حدیث، فقہ اور اُصولِ فقہ تو بہت دُور کی باتیں ہیں۔ مگر اس جہالت کے باوجود ان کا زعم یہ ہے کہ ہم تو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے بڑھ کر قرآن و حدیث کو جاننے والے مجتہدین ہیں، اور آپ دیکھیں کہ خالد اسحاق صاحب کے مضمون میں اسی قسم کا اجتہاد ہے اور اس نے اس اجماع کو بھی اپنے خیال میں ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورت کی نصف دیت کا ذکر حدیث کی معروف کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ اعتراض اُٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو بالعموم حدیث کے علم سے کورے ہیں اور محدثین کے کام اور اُن کی اصطلاحات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم اُوپر جو حوالے نقل کر چکے ہیں کیا وہ معروف کتبِ حدیث نہیں ہیں۔ ان میں نسائی صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے۔ موطا امام مالک بھی اپنی روایات کے مرتبے کے لحاظ سے صحاح ستہ میں شمار کی گئی ہے۔ بلکہ یہ وہ کتاب ہے، جسے خلیفہ ابوجعفر منصور پوری اسلامی سلطنت کے قانون کے طور پر نافذ کرنا چاہتا تھا لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مسالک کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اس کام سے روک دیا۔ بیہقی کی روایت کے بعض طرق کو اصطلاحاً ضعیف کہنے سے تمام طرق پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ جہاں تک نسائی کی روایت کا تعلق ہے تو وہ سند و متن دونوں لحاظ سے صحیح قرار دی گئی ہے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں، صححہ ابن خزیمۃ (یعنی مشہور ناقدِ حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور دَورِ خلافت میں سنتِ مسلسل کا عملاً جاری ہونا یا اصول استنباطِ احکام کے لیے نہایت جامع چار متداول فقیہوں کے ائمہ اولین سے لے کر آخری علماء تک اس پر متفق رہنا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی خبرِ واحد کو ظنیت کے مقام سے نکال کر حتمیت کے مقام پر لے آتی ہیں۔ (ن۔ص)

ابن خزیمہ نے اُسے صحیح قرار دیا ہے) (نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۲۵) - اسی طرح مصری عالم سید سابق نے بھی اپنی کتاب فقہ السنہ میں ابن خزیمہ کی تصحیح کا ذکر کیا ہے - (جلد ۳ ص ۴۷۶) -

اس بات کو بھی بڑے زور و شور سے اچھالا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی کچھ روایات ایسی ہیں جن میں عورت کی دیت مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہے - اس کا جواب بھی ان صریح عبارات میں موجود ہے جو اس سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں، بالخصوص امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ میرے علم میں قدیم اہلِ علم میں سے کوئی بھی عورت کی دیت کی مرد کی دیت کے ساتھ برابری کا قائل نہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور جملہ فقہاء جو امام شافعیؒ کے دور اور ان سے پہلے کے ادوار میں گزرے ہیں، ان کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے -

ایک اور بات جسے وزنی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ یہ اجماع سکوتی ہے، حالانکہ ان لوگوں کو اگر اصول فقہ کا ذرہ بھی علم ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ اجماع سکوتی کو امام شافعی اجماع کا نام نہیں دیتے اور بطور حجت نہیں پیش کرتے، اور امام شافعیؒ ہی وہ شخصیت ہیں جو اجماع سکوتی کے مخالفین میں پیش پیش ہیں - لیکن یہاں امام شافعی عورت کی دیت پر اجماع کا ذکر کرتے ہیں، اور حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں - یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس اجماع کی حیثیت اجماعِ سکوتی کی نہیں ہے، بلکہ حقیقی اجماع کی ہے - پھر جب اجماعِ سکوتی کے ساتھ تعامل اُمت شامل ہو جائے تو اس کی حجیت میں کسی کو اختلاف نہیں ہوتا -

ہم ان مدعیانِ اجتہاد سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے، بلکہ کھلا ہے - ظاہر ہے کہ علمی تحقیق اور غور و فکر کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا - لیکن اجتہاد ان جدید مسائل میں ہونا چاہیے جن کے بارے میں اجماع موجود نہ ہو اور وہ منصوص بھی نہ ہوں یا ائمہ فقہ کے درمیان اختلافی مسائل میں کسی رائے کو ترجیح دینے کا مسئلہ ہو تو اجتہاد کے ذریعے یہ کام کیا جا سکتا ہے، لیکن عورت کی دیت کا نصف ہونا تو احادیث و

آثار اور اجماع سے ثابت ہے، اور چودہ سو سال تک امت کا اس پر عمل چلا آرہا ہے۔ اس متفق علیہ اور واضح مسئلے کے خلاف خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص نہ کوئی قانون بنا سکتا ہے اور نہ ایسی قانون سازی کی حمایت کر سکتا ہے، اگر کوئی فرد یا ادارہ یا گروہ ایسا کرے تو ظاہر ہے کہ وہ عند اللہ مجرم ہے۔

آخر میں دیت کمیٹی، ماضی کے بعض فقہا اور بعض جدید علمائے اسلام کے خیالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ رائے دیتی ہے کہ جہاں تک شرعی حیثیت سے عورت کی دیت کا مسئلہ ہے وہ تو نصف ہوگی، اس میں کسی قسم کا اضافہ و ترمیم کمیٹی کی نظر میں شریعتِ اسلامی میں تحریف کے مترادف ہوگا، البتہ جدید حالات وضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے کمیٹی کے نزدیک اس بارے میں کوئی حرج نہیں کہ عورت کے قتل خطا اور شبہ عمد کے معاملے پر غور کرتے ہوئے قاضی خاص خاص مقدمات اور ان کے احوال کے لحاظ سے اگر مناسب سمجھے تو قتل کے مرتکب کو نصف دیت کے ساتھ ساتھ مزید تعزیری سزا بھی دے سکتا ہے اور یہ سزا مالی بھی ہو سکتی ہے اور بدنی بھی۔

اب لیجیے، اسی مغالطہ انگیزی کو کہ امام طحاوی، ابو الولید باجی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ وغیرہم کی عبارات سے ایک ایک لفظ لے کر اس سے جو بات نکالنے کی کوشش کی گئی ہے وہ ان کی مراد ہے نہ مسلک۔ اس سلسلہ میں ہم ان عبارات کا تجزیہ کرتے ہیں۔

مشکل الآثار کی عبارت

فتاملنا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "المومنون تتکافؤ دماءھم فوجدنا اھل العلم جمیعًا لا یختلفون فی تاویل ذالک انہ علی التساوی فی القصاص والدیات وان ذالک ینفی ان یکون شریف علی وضیع فضل فی ذالک وان ذالک کان ردًّا علی اھل الجاھلیۃ فی ترکھم قتل الشریف یقتلہ الوضیع وفی ذالک ماقد عقلنا ان التساوی جری ذالک کالرجال ان الرجل یقتل بالمراۃ کما یقتل المراۃ بالرجل۔" (مشکل الآثار - جلد ۲ - ص ۹۰ -

(ترجمہ) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان" المومنون تتکافو!

دماؤهم" مومنین کے خون آپس میں برابر ہیں" میں غور کیا اور تمام اہل علم کو اس کی اسی تفسیر پر متفق پایا کہ یہ قصاص و دیت میں برابری کے لیے ہے، یہ بات اس بات کی نفی کرتی ہے کہ اونچ کو نیچ پر فضیلت ملے اسی میں اہل جاہلیت کی تردید ہے کہ وہ اونچے کو نیچے کے بدلے میں قتل نہ کرتے تھے۔ اس میں سے ہم نے یہ بھی سمجھا کہ عورت بھی اس سلسلے میں مرد کی طرح ہے۔ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ جس طرح عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔"

آپ اس ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں اور اس کے بعد اندازہ کریں کہ صرف ایک جملے " یہ قصاص و دیت میں برابری کے لیے ہے" سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اور مرد کی دیت کی مقدار میں برابری ہے۔ اگر یہ مطلب درست ہے تو کیا ان الفاظ کا اس کے ساتھ کوئی جوڑ ہے کہ " تمام اہل علم کو اس کی تفسیر پر متفق پایا[1]"۔ ایسی صورت میں کیا ضروری نہ تھا کہ امام طحاوی ان لوگوں کی تردید کرتے جو صدر اول سے اس دور تک نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ پھر یہ مطلب اخذ کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ امام طحاوی اس جملے کے بعد خود تصریح کرتے ہیں کہ یہ اس چیز کی نفی ہے کہ اونچ کو نیچ پر فضیلت ملے اور اس میں اہل جاہلیت کی تردید ہے۔ بعد ازاں واضح طور پر تصریح کر دی کہ جاہلیت میں عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا تھا۔ اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا تھا اور اس میں اس نظریہ کی تردید ہے[2]۔

اگر عورت کی دیت بھی مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہوتی تو امام طحاوی ان الفاظ پر اکتفا نہ کرتے:
ان النساء فی جری ذالک کالرجال ان الرجل یقتل بالمراۃ کما یقتل المراۃ بالرجل۔ "عورتیں اس سلسلہ میں مردوں کی طرح ہیں۔ مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ جس طرح عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے" بلکہ اس کے بعد یہ بھی بیان کرتے کہ:

---

[1] ذرا فرمائیے کہ مقدار دیت پر متفق ہونے والے اہل علم کون سے ہیں؟ (ن ر ص)

[2] کیا یہاں بات صاف نہیں ہو گئی؟ (ن ر ص)

"دية المراة كدية الرجل لا تتنصف" عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے، آدھی نہیں ہے۔

سادہ الفاظ میں حدیث کا مفہوم جسے امام طحاوی بیان کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ قصاص کے قانون میں دورِ جاہلیت کے امتیازات کی اس حدیث سے نفی کی گئی ہے، دورِ جاہلیت میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں قصاص میں قتل کیا جاتا تھا، لیکن مردوں سے قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس سلسلہ میں ایک ایسا ضابطہ بنا دیا ہے جس میں چھوٹے، بڑے، طاقتور اور کمزور، مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ قتل کی ایسی صورت جس میں عورت سے قصاص لیا جائے گا۔ اس صورت میں مرد سے بھی عورت کے قتل کرنے پر قصاص لیا جائے گا۔ اور قتل کی ایسی صورت جس میں مرد سے دیت لی جائے گی عورت قاتلہ ہو تو اس سے بھی دیت لی جائے گی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ مرد سے تو دیت لی جائے اور عورت کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ مرد سے عورت کی دیت کتنی دلوائی جائے گی تو یہ چیز زیر بحث ہی نہیں ہے۔ نہ متذکرہ حدیث میں اور نہ امام طحاوی کے کلام میں۔

ابوالولید باجی کی عبارت ابوالولید باجی کی عبارت میں کاتب سے النصف متن کے الفاظ رہ گئے ہیں جس سے ایک تو یہ بات نکالی گئی کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ مرد اور عورت کی دیت برابر ہیں۔ اور دوسری چیز یہ نکالی گئی کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت یہ ہے، لیکن اس پر تنبہ تو اسی شخص کو ہو سکتا ہے، جو مسئلے سے واقف ہو۔ اس نے مختلف مصادر سے رجوع کر کے معلوم کیا ہو کہ یہ بات کہاں کہاں اور کس کس طرح بیان کی گئی ہے اور دوسرے قرائن کو بھی سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اصل عبارت ملاحظہ ہو:۔

"قوله رضي الله عنه تعاقل المراة الرجل الى ثلث الدية اصبعها

۱؎ اغلاطِ اندراج یا سہوِ کتابت سے استفادہ کرنا حد درجہ کی کمزوری ہے۔ مگر آفرین ہے اہل علم کے لیے کہ انہوں نے ایسے مقامات کو بھی دیکھا اور ان کی کمزوری پر پہلے ہی گرفت کر لی۔

کاصبعہ یرید ان مادون ثلث الدیۃ عقلها فیہ کعقل الرجل و
ھو معنی معاقلتها لہ حتی اذا بلغت فی عقل ماجنی علیها ثلث
الدیۃ کان عقلها نصف عقل الرجل و بھذا قال من ذکرہ من التابعین
وھو قول زید بن ثابت و ابن عباس وما روی عن ابن مسعود تساویھا
فی الموضحۃ و اختلف عن عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب فروی
عنھما باسناد ضعیف انھا علی دیۃ الرجل فی القلیل و الکثیر وبہ
قال ابوحنیفۃ والشافعی وروی عنھما مثل قولنا (المنتقی ص۹۷)

"امام مالکؒ کا قول ہے کہ عورت ایک تہائی دیت تک مرد کے برابر ہوگی، اس کی انگلی مرد کی انگلی کی طرح ہوگی اس سے مراد یہ ہے کہ ایک تہائی دیت سے کم میں عورت کی دیت مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہوگی۔ عورت کی مرد کے ساتھ برابری کا یہی معنی ہے۔ جب اس پر کی گئی زیادتی ایک تہائی دیت یا زیادہ کی ہوگی تو پھر اس کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہو جائے گی۔ جن تابعین کا امام مالک نے ذکر کیا ہے ان کا مذہب یہی ہے اور زید بن ثابت ابن عباس کا بھی اور ابن مسعود سے روایت کی گئی ہے کہ وہ زخم جو "موضحہ" ہو اس میں مرد اور عورت میں مساوات ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ایک ضعیف سند کے ساتھ یہ اختلافی روایت بھی ہے کہ قلیل وکثیر میں اس کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مسلک ہے اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ہمارے مسلک کے مطابق روایت بھی ہے۔"

"علی النصف من" "مرد کی دیت سے نصف" کے الفاظ چھوٹ جانے کے دلائل:

۱۔ ابوالولید باجی نے اسے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی کی ایک روایت نہیں بلکہ مسلک قرار دیا ہے اور یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک نصف دیت ہے لہٰذا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی ایک روایت نصف دیت کی ہوگی، نہ کہ پوری دیت کی، ورنہ "بہ قال ابوحنیفہ والشافعی" کہنا صحیح نہ ہوگا۔

۲۔ وروی عنھما مثل قولنا "حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ہمارے مسلک کے

مثل روایت بھی کی گئی ہے"۔ اس بات کا قرینہ ہے کہ دوسری روایت حنفی اور شافعی مسلک کے مطابق ہوگی۔

۳ــــ اگر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق مرد اور عورت کی دیت میں برابری ہوتی تو بھر "فی القلیل والکثیر" کے الفاظ نہ ہوتے، کیونکہ قلیل وکثیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ کہ ثلث تک مساوی اور ثلث اور ثلث کے بعد نصف ہے اور دوسرا یہ کہ قلیل وکثیر میں نصف ہے۔ اور قلیل وکثیر کا مسئلہ زخموں کی دیت میں آتا ہے، دیتِ قتل میں کثیر وقلیل کا تصور ایک عجوبے سے کم نہیں ہے۔ ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے کہ زخم قلیل وکثیر ہوتا ہے لیکن قتل قلیل وکثیر نہیں ہوتا۔[۱]

۴ــــ جس طرح ابوالولید باجی نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے دو روایتیں نقل کی ہیں، دوسرے مصادر میں بھی یہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

واخرج البیہقی بسندہ الی الشیبانی وابن ابی لیلیٰ وزکریا عن الشعبی ان علیا کان یقول جراحات النساء علی النصف من دیۃ الرجال فیما قل وکثر

ثم اخرج بسندہ الی حماد عن ابراہیم عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب انہما قالا عقل المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وفیما دونہا" (ص ۹۶/۸)

(ترجمہ) شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کہا کرتے تھے زخم تھوڑے ہوں یا زیادہ ان میں عورتوں کی دیت مردوں کی دیت سے آدھی ہے ...... ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے کہا عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، چاہے قتل کی دیت ہو یا زخم کی"۔

بیہقی میں دوسرا قول یوں نقل کیا گیا ہے" وجراحۃ الرجال والنساء سواء الی الثلث (ص ۹۷ جلد ۸) "مردوں اور عورتوں کا زخم ایک تہائی تک برابر ہے"۔

۵ــــ اگر مطلقاً عورت اور مرد کی دیت میں مساوات بیان کرنا ہوتی تو اس کے لیے" علیٰ" کا لفظ نہ آتا بلکہ "مثل" کا لفظ آتا اور عبارت یوں ہوتی "دیت المرأۃ مثل دیۃ الرجل" ان وجوہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ متذکرہ عبارت میں" النصف من" کا لفظ کاتب سے رہ گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت یہ عبارت دراصل مشکل الآثار کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اس میں بھی اسی بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس صورت میں عورت کو قصاصاً قتل کیا جائے گا اور جس صورت میں مرد سے دیت لی جائے گی اسی صورت میں عورت سے بھی دیت لی جائے گی، نہ یہ کہ جاہلیت کی طرح عورت سے دیت وصول کرنے کی بجائے اُسے قتل کردیا جائے۔

اس سلسلے میں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ دَورِ جاہلیت میں قتل کی عمد، شبہ عمد اور خطا میں تقسیم نہ تھی، نہ ہی شبہ عمد اور خطا کی صورت میں دیت کا قانون جاری تھا، تاکہ یہ کہا جائے کہ دَورِ جاہلیت میں مرد کی پوری دیت لی جاتی تھی اور عورت کی آدھی۔ اور ظاہر ہے کہ " المومنون تتکافو دماؤھم"۔ میں مشکل الآثار کی عبارت، ابوالولید باجی کی عبارت اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت کے مطابق جاہلی نظام کی تردید تھی۔ جب دَورِ جاہلیت میں ایک چیز سرے سے موجود ہی نہ تھی تو " المومنون تتکافو دماؤھم" سے اس کی تردید کیسے ہوسکتی ہے۔

شاہ ولی اللہ یہ جھوٹ بھی گھڑا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ بھی مرد اور عورت کی دیت میں برابری کے قائل ہیں۔ حالانکہ شاہ صاحب نے بھی دوسرے علماء کی طرح عورت کے زخموں کی دیت میں دو مسلک نقل کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

" قلت علیہ مالک وقال اکثر اھل العلم دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل ودیۃ اطراف المرأۃ وجراحاتھا علی النصف من دیۃ الرجل" جلد ۲ ص ۲۷

" میں کہتا ہوں امام مالک رح کا مسلک یہی ہے (ایک تہائی تک برابر اور بعد میں تنصیف) اور اکثر اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور عورت کے اعضا اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے"۔

اُمید ہے کہ ان گذارشات کی روشنی میں صاف دل اور راست بین اصحاب مغالطوں اور غلط فہمیوں کے چکر میں پھنسنے کے بجائے اصل حقیقت کو نہایت واضح طور پر پالیں گے۔

عورت کی دیت کا مسئلہ، عالمِ عرب کے نامور علما کی نظر میں

یہ زیرِ بحث مسئلہ سارے عالمِ عرب میں بحث و نظر کا موضوع بنا ہے اور بہت سے ممالک میں کمیٹی کی گذارشات کے مطابق قوانین بنے ہیں۔ جدید علما کی کتابوں میں بھی اس مسئلے پر یہی رائے دی گئی ہے۔ دو ایک اختلافی رائیں جو سامنے آئی ہیں وہ انہی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں جنھوں نے یہاں کے چند سوچنے والوں پر اثر ڈالا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کمیٹی اس سلسلے میں بھی اپنی معلومات پیش کر دے تاکہ ذی شعور اصحاب کو مسئلے کے سمجھنے میں مدد ملے۔ ان گذارشات کو لانا اس لیے ضروری تھا کہ دوسری طرف سے خلط مبحث کیا جا سکتا تھا۔

اِس وقت پورے عالمِ اسلام میں مسلم عوام کی طرف سے اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ اُٹھا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا حکمران طبقہ گو اکثر و بیشتر ممالک میں اس مطالبے کو قبول کرنے سے گریز کر رہا ہے، لیکن زود یا بدیر ان حکمرانوں کو مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی خواہش کے آگے جھکنا پڑے گا۔ اسلامی قانون کیا ہے، اِس سلسلے میں اُمت کے موجودہ اہلِ دانش اس بات پر تو متفق ہیں کہ کتاب و سنّت، اجماعِ صحابہ اور تعاملِ اُمت پر مبنی احکام کسی ترمیم و تغیّر کے بغیر اختیار کیے جائیں، رہے وہ معاملات جن کے بارے میں مذکورہ ذرائع سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہوتی، اجتہاد سے سامنے طے کیے جا سکتے ہیں۔ البتہ اسلامی قانون کے اس عوامی مطالبے سے پریشان ہو کر کچھ لوگ جن میں حکمرانوں کے دربار سے تعلّق رکھنے والے افراد، مغرب کے ذہنی غلام اور وہ لوگ جو خواہش نفس کے ہاتھوں مغلوب ہیں، اسلامی احکام کی ایسی تاویل و تشریح شروع کر دیتے ہیں جس کے بعد اسلام اور مغربیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ ان لوگوں کی تعداد نہایت محدود ہے اور انہیں مسلم عوام کا اعتماد بھی حاصل نہیں ہے۔

آئندہ صفحات میں ہم عورت کی دیت کے مسئلے پر عالمِ عرب کے چند نامور اہلِ علم کے خیالات پیش کرتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ عرب دُنیا کے اہل علم و دانش اس مسئلے پر کیا سوچ رکھتے ہیں۔

عالمِ اسلام میں "اسلام کے فوجداری قانون"[1] پر نہایت عالمانہ انداز میں جدید ذہن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے جس نے قلم اُٹھایا ہے وہ مصر کے اُستاذ عبدالقادر عودہ رحمۃ اللہ ہیں۔ اُن کی کتاب "التشریع الجنائی الاسلامی" (اسلام کا فوجداری قانون اور انسانی قانون سے اُس کا موازنہ) نے عالمِ اسلام کے طبقے سے غیر معمولی خراج تحسین حاصل کیا ہے اور آج جس جس ملک میں بھی اسلامی قانون کی تدوینِ جدید کی تحریک چل رہی ہے۔ یہ کتاب ماخذ اور حوالہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُستاذ عبدالقادر عودہ جدید تعلیم یافتہ انسان تھے۔ ایک مدت تک وہ مصر کی کونسل آف سٹیٹ کے جج رہے ہیں۔ ان کے نہایت ٹھوس اور بے لاگ عدالتی فیصلوں کی دھوم رہی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں جمال عبدالناصر نے انہیں پھانسی دے دی تھی کیونکہ وہ فوجی حکومت کے بجائے اسلام اور جمہوریت کے علمبردار تھے۔ دیت کے موضوع پر موصوف التشریع الجنائی جلد دوم ص ۱۸۲ پر مفصل کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فقہائے اُمت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قتل میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی۔ ان کی دلیل وہ تحریر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو لکھ کر دی تھی کہ "عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی"۔ اس مقدار پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔ تین خلفائے راشدین حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور صحابہ کبار میں سے حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوگی۔ اور کوئی ایک بھی ایسا قول منقول نہیں ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ کسی صحابی نے اس بارے میں اختلاف کیا ہو، لہٰذا یہ قول اجماع شامل ہوگا۔ نیز جس طرح عورت وراثت و شہادت میں مرد کے مقابلے میں نصف نصاب کی حقدار ہوتی ہے اسی طرح اُس کی دیت بھی آدھی ہوگی۔"

[1] اس کتاب کا اُردو ترجمہ اسلامی پبلیکیشنز لاہور سے شائع ہوچکا ہے (مدیر)

عبدالقادر عودہ شہید نے اس مسئلے پر جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہیں:-
بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۲۵۴ - المُغنی جلد ۹ ص ۵۳۱ - المہذّب جلد ۲ ص ۲۱۱ -
شرح الدردیر جلد ۴ ص ۲۳۸ -

مصر کے ایک اور محقق احمد فتحی بہنسی بھی اسلام کے فوجداری قانون پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مثلاً "الجرائم فی الفقہ الاسلامی" (اسلامی قانون میں جرائم کی تعریف اور سزا)، "نظریات فی الفقہ الجنائی الاسلامی" (اسلام میں فوجداری قانون کے نظریات واصول) اور "القصاص فی الفقہ الاسلامی" (اسلامی شریعت میں قصاص کے احکام) موصوف نے بھی اپنی تمام تحقیقات میں احادیث و آثار اور فقہائے اسلام کے اقوال و آراء کو ہر دلیل کی بنیاد بنایا ہے۔

اس وقت عالم عرب میں اسلامی قانون پر جسے سند کا درجہ حاصل ہے، وہ اردن کے نامور فقیہ احمد الحصری ہیں۔ یہ ازہر یونیورسٹی، اردن یونیورسٹی اور امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض میں اسلامی فقہ اور غیر اسلامی قوانین کے تقابلی مطالعہ کے پروفیسر ہیں ان کی دو کتابوں کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ایک "نظام القضاء" (اسلامی عدلیہ کا نظام اور طریق کار) اور دوسری: القصاص والدیات والعصیان المسلح فی الفقہ الاسلامی (اسلامی فقہ میں قصاص، دیت اور مسلح بغاوت کے احکام)۔ اسی موخر الذکر کتاب میں انہوں نے عورت کی دیت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

"حنابلہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہو گی۔ ابن المُنذِر اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہو گی۔"

دلیل: مذکورہ قول کی دلیل میں وہ عمرو بن حزم کے روایت کردہ اس خط کو پیش کرتے ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو لکھا تھا۔ اس خط میں بیان کیا گیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہو گی۔ نیز انہوں نے اپنی دلیل میں صحابہ کرامؓ کے اس اجماع کو بھی پیش کیا ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد

مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہے۔

مخالفانہ رائے۔ ایک شاذ قول مخالفانہ رائے میں پیش کیا جاتا ہے، جو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہ رض کے بھی منافی ہے۔ یہ قول ابن عُلیّہ اور اصمؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت کے برابر ہو گی۔ یہ مخالفانہ رائے رکھنے والے دلیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو پیش کرتے ہیں کہ: "فی النفس المومنة مائة من الابل" (مومن جان کی دیت ایک سو اُونٹ ہے)۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول عمومی حکم رکھتا ہے۔ اور اس میں یہ وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ سو اُونٹ دیت مومن مرد کی ہے یا مومن عورت کی۔ لہٰذا یہ دونوں (مرد اور عورت) دیت میں مساوی ہو جاتے ہیں۔

محاکمہ: ابن علیہ اور اصم کی رائے ایک شاذ قول کی حیثیت رکھتی تھی۔ (یعنی پوری اُمت کے مقابلے میں یہ ایک منفرد قول ہے)۔ یہ قول سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔ عمرو بن حزم کے جس خط کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے، خود اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے کہ: "دیة المراة علی النصف من دیة الرجل" (عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہو گی)۔ آنحضورؐ کا یہ دوسرا قول مذکورہ حکم عمومی کو خاص کر دیتا ہے۔ یہ دونوں عمرو بن حزم والے خط میں بیان کیے گئے ہیں۔ گویا دوسرا قول پہلے قول کی تشریح اور اس کے عمومی مفہوم کی تخصیص کر دیتا ہے۔" (ص ۷۱۰)

سعودی عرب میں قصاص و دیت کا قانون ایک عرصے سے جاری و ساری ہے۔ حالات کے بدل جانے سے دیت کی مقدار میں تبدیلی کا مسئلہ وہاں بار بار پیش آتا رہا ہے۔ ۱۳۵۳ھ میں سعودی عرب کی مجلس نمائندگان (جسے پہلے مجلس الوکلا کہا جاتا تھا اور اب اس کا نام مجلس شوریٰ ہے) کی طرف سے پہلے دیت کی مقدار ایک ہزار ریال مقرر کی گئی

تھی۔ ۱۳۷۴ھ میں اس میں مزید اضافہ کیا گیا اور اس وقت کے رئیس القضا (چیف جج) کے فیصلے کے موجب قتل خطا میں ۱۶ ہزار ریال اور قتل شبہ عمل میں ۱۸ ہزار ریال مقرر کی گئی۔ ۱۳۹۰ھ میں یعنی آج سے چودہ سال پہلے دیت کا مسئلہ از سرِنو زیر بحث آیا۔ اسے طے کرنے کے لیے سعودی عرب کی سپریم جوڈیشری کونسل کا اجلاس ہوا جس میں کونسل کے صدر (جو قاضی القضاۃ ہوتے ہیں) کے علاوہ ریاض اور مکہ مکرمہ کے کورٹ آف اپیل کے دونوں چیف جج، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دمام کے شرعی ہائی کورٹوں کے سربراہ اور دیگر قانون دان شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں پورے غور و خوض کے بعد ۶/ ذوالقعدہ ۱۳۹۰ھ کو یہ متفقہ فیصلہ جاری کیا گیا کہ قتل خطا میں دیت کی مقدار ۲۴ ہزار ریال اور قتل عمد و شبہ عمد میں دیت کی مقدار ۲۷ ہزار ریال ہوگی اور مسلمان عورت کی دیت مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔" (حوالہ کے لیے دیکھیے کتاب النظام القضائی الاسلامی۔ تالیف ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالعزیز القاسم، طبع اول ۱۹۷۳ء قاہرہ)

۱۹۷۳ء میں لیبیا میں جب کرنل قذافی نے فوجی انقلاب برپا کیا تو انقلاب کے ابتدائی ایام میں انقلابی حکومت نے یہ اعلان کیا کہ وہ لیبیا میں اسلامی قوانین کا نفاذ کرے گی چنانچہ ایک مجلس قانون ساز تشکیل دی گئی جس کے سربراہ لیبیا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ڈاکٹر علی علی منصور تھے۔ اس مجلس کی طرف سے دیت کے بارے میں جو قانون تجویز کیا گیا۔ وہ ابن علیہ اور اصم کی رائے کی بنیاد پر تھا۔ انہوں نے یہ واضح کر دیا تھا کہ ہماری یہ رائے ابن علیہ اور اصم کے قول پر مبنی ہے۔ لیبیا کے قانون سازوں نے احادیث و آثار، اجماعِ صحابہ، ائمہ اربعہ اور پوری اُمت کے تعامل کو چھوڑ کر ابن علیہ اور اصم کی رائے کو کیوں اختیار کیا ہے، اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی سمجھ میں نہیں آسکی کہ لیبیا کے سربراہ مذہب اباضی سے تعلق رکھتے ہیں جو خوارج اور معتزلہ کے مذہب سے قریب تر ہے اور ابن علیہ اور اصم بھی معتزلہ سے تعلق رکھتے ہیں نیز یہ بھی یاد رہے کہ لیبیا کی انقلابی حکومت نے اسلامی قانون کے نفاذ کا جو اعلان کیا تھا وہ آج تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ اور ڈاکٹر علی علی منصور اور ان کے ساتھیوں کے بنائے ہوئے مسوداتِ قانون جُوں کے تُوں پڑے ہیں اور خود ڈاکٹر علی صاحب بھی لیبیا کو چھوڑ کر واپس مصر آگئے ہیں۔

جہاں تک شیخ ابوزہرہ مصری کی رائے کا تعلق ہے تو شیخ ابوزہرہ ایک طرف خود تسلیم کرتے ہیں کہ ابن قدامہ نے ابن المنذر اور ابن عبدالبر کے حوالے سے عورت کی نصف دیت پر اہل علم کا اجماع بتایا ہے، مگر موصوف اپنی ذاتی پسند کے تحت ابوبکر اصم کے قول کو ترجیح دیتے ہیں چونکہ انہیں اپنے مسلک کی کمزوری کا علم ہے اس لیے آگے چل کر انہیں یہ احساس ہوگیا کہ وہ اپنی شاذ رائے کی وجہ سے جمہور امت کے دائرے سے نکل رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے برملا یہ تسلیم کر لیا کہ "عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف رہی ہے۔ اسی اصول کے تحت جنین (پیٹ کے بچے) کے قتل پر اس کی دیت اس کی ماں کی دیت کا دسواں حصہ (پانچ اونٹ) جو مرد کی دیت کا بیسواں حصہ (پانچ اونٹ) بنتا ہے، ہوگی۔ (ملاحظہ ہو: العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی از ابوزہرہ ص ۶۱۹ مطبوعہ دارالفکر العربی قاہرہ)۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی شام کے نامور عالم دین ہیں۔ موصوف صرف اسلامی علوم پر ہی نہیں بلکہ جدید علوم پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ کئی اعلیٰ پائے کی علمی اور تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں۔ "مکانۃ السنۃ فی التشریع الاسلامی" (اسلامی قانون میں سنت کا مرتبہ و مقام)، "من روائع حضارتنا" (اسلامی تہذیب کے درخشاں پہلو) اور "اخلاقنا الاجتماعیۃ" (ہمارا قومی اخلاق) وغیرہ ان کی تصنیفات نے عالم عرب و اسلام میں بڑی مقبولیت حاصل کی ہے۔ اسلامی قانون اور جدید قوانین کے اندر انہیں بڑی دسترس حاصل تھی۔ ساٹھ کے عشرے میں ڈاکٹر صاحب دمشق یونیورسٹی کے شعبۂ فقہ اسلامی و ادیانِ عالم" کے ڈین رہے ہیں۔ اسلامی فقہ اور رومن لا پر ان کی کتاب دمشق یونیورسٹی کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ ڈاکٹر موصوف ۱۹۵۲ء میں شامی پارلیمنٹ کے ڈپٹی اسپیکر بھی رہے ہیں۔ شام کی آزادی کے بعد جب شام کے اندر ملکی دستور کا مسئلہ اٹھا تو انہوں نے اسلامی دستور بنانے کا مطالبہ اٹھایا۔ اور شامی دستور کے اندر اسلامی دفعات شامل کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اسلامی ریاست میں عورت کے مرتبہ و مقام کا موضوع اسی شد و مد کے ساتھ شام میں چھڑا، جس طرح آج پاکستان میں چھڑا ہوا ہے، چنانچہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم نے ۱۹۶۲ء میں دمشق یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں "المرأۃ بین الفقہ والقانون" (فقہ اسلامی اور جدید قانون کی نظر میں عورت کی حیثیت) کے موضوع پر ایک طویل لیکچر دیا۔ اس میں مردوں کے علاوہ

عورتوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ لیکچر کے اختتام پر تمام حاضرین نے مقرر کو غیر معمولی داد و تحسین سے نوازا۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے لیکچر میں "عورت کی دیت" کا موضوع بھی لیا اور اس سلسلہ میں فرمایا:

"عورت اگر کسی خطا کے نتیجے میں قتل ہو جائے یا عورت کے قتل پر قصاص کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے قاتل سزائے موت کا مستحق قرار نہ پا رہا ہو تو ایسی صورت میں شریعتِ اسلامی نے مقتولہ عورت کی دیت مقرر کی ہے جو مقتول مرد کی دیت کا نصف ہو گی۔ شریعت کی یہ بات بظاہر نامانوس سی لگتی ہے، کیونکہ اسلام نے انسانیت، اہلیت اور معاشرتی مرتبہ و مقام میں عورت اور مرد کو مساوی قرار دیا ہے۔ دراصل دیت کا موضوع اُن اُصولی چیزوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جن میں اسلام مرد و زن کی مساوات کا علمبردار ہے۔ دیت کا اصل اور گہرا تعلق اس نقصان سے ہے جو کسی مرد یا عورت کے قتل ہو جانے پر وارثوں کو لاحق ہوتا ہے۔ قتلِ عمد میں قاتل پر قصاص لاگو ہو جاتا ہے، خواہ مقتول مرد ہو یا عورت اور خواہ قاتل مرد ہو یا عورت۔ قصاص میں ہم ایک انسان کا دوسرے انسان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں اور انسانیت میں مرد اور عورت دونوں یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ رہا قتل خطا یا قتل شبہ عمد تو یہاں بدلے میں انسانی جان لینے کا سوال نہیں ہے، بلکہ صرف یہ سوال ہے کہ جو ذات قتل ہو گئی ہے اس کے ورثاء کو مالی معاوضہ دلایا جائے، مالی معاوضہ لگاتے وقت ہمیشہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس حد تک مالی نقصان ہوا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا ایک مرد کے قتل ہو جانے میں خاندان کو اتنا ہی مالی نقصان پہنچتا ہے جتنا کہ ایک عورت کے قتل پر پہنچ سکتا ہے؟ جن بچوں کا باپ غلطی سے مارا گیا ہے یا جس عورت کا خاوند قتل خطا کی نذر ہو گیا ہے، وہ دراصل اخلاقی اور معنوی سہارے کے ساتھ ساتھ اپنے اس بنیادی مالی سہارے سے محروم ہو گئے ہیں جو ان کا مالی بوجھ اُٹھائے ہوئے تھا۔ اور جن کی معاش کے لیے وہ ہمہ تن کوشاں رہتا تھا، لیکن اگر بچوں کی ماں قتل ہو گئی ہے۔ یا مرد کی بیوی مر گئی ہے تو وہ مادی سہارے سے

نہیں، بلکہ ایک اخلاقی اور روحانی سہارے سے محروم ہوئے ہیں۔ اس لیے مال اس نقصان کا معاوضہ نہیں بن سکتا۔"

"دیت مقتول کی جان کی قیمت نہیں ہے۔ (اور نہ قتلِ خطا کے بدلے میں کوئی جان لینا پیش نظر ہے)، بلکہ وہ خاندانی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مادّی نقصان کی تلافی کی ایک صورت ہے، جو مقتول کے خاندان کو پہنچ گیا ہے۔ یہ ہے عورت کی نصف دیت کی اصل الاصول اور اس سلسلے میں کوئی بھی شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔ خود ہمارے موجودہ قانون میں بھی (جسے انسانوں نے بنایا ہے) مقتول کی دیت کی دو حدیں رکھی گئی ہیں۔ ایک زیادہ سے زیادہ حد اور دوسری کم سے کم حد۔ یہ حدیں صرف اسی بنا پر رکھی ہیں کہ مقتول کے خاندان کو لاحق ہونے والے نقصان کے تحت مالی معاوضہ مقرر کیا جا سکے۔ انسانوں میں تفاوت ہوتا ہے۔ ایک انسان وہ ہے جو محنت و مشقت کرتا ہے اور قانوناً اپنے خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو محنت و مشقت نہیں کرتا اور نہ وہ کسی کے نان و نفقہ کا ذمہ ہے، بلکہ وہ خود دوسرے کی طرف سے نان و نفقہ کا محتاج ہوتا ہے۔ کیا ان دونوں قسم کے انسانوں کو مالی معاوضے میں یکساں رکھا جائے گا۔" (المرأة بین الفقہ والقانون طبع دوم ص ۳۷، ۳۸)

اِن تصریحات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سارے عالمِ اسلام میں عورت کی دیت کے متعلق مسلم علماء اور قانون دانوں اور ججوں کی رائے ایک ہی رہی ہے، ماسوا ایک آدھ ایسے ملک کے جہاں اسلام سے انحراف کی رَو چل رہی ہو۔